پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
موم کی محبت
راحت وفا
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

اک عجب شور سا بپا ہے کہیں
کوئی خاموش ہوگیا ہے کہیں
تو مجھے ڈھونڈ میں تجھے ڈھونڈوں
کوئی ہم میں سے رہ گیا ہے کہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شرمین دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر صبیح احمد کے بیٹے کو لینے ہاسٹل پہنچ جاتی ہے اور وہاں چند ضروری پیپر سائن کر کے بچے سے ملتی ہے۔ صبیح احمد کا بیٹا شرمین کو دیکھتے ہی ماما کہہ کر پکارتا ہے جبکہ شرمین اذان (صبیح احمد کا بیٹا) کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے کہ وہ صبیح احمد کی کاپی ہوتا ہے۔ عبدالصمد کو جہاں آرا بیگم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں ان کا خیال تھا کہ بچے کی محبت میں زیبا کی ممتا جوش مارے گی اور وہ بے قرار ہوکر گھر آجائے گی۔ مگر زیبا دل پر پتھر رکھ کر صبر کرلیتی ہے۔ دوسرے ہی دن صفدر عبدالصمد کو چھوڑنے آتا ہے تو زیبا اسے عارض کی تصویر دکھا کر اپنے ساتھ گناہ میں شریک ٹھہرا کر صفدر کا سکون غارت کردیتی ہے۔ صفدر کا دل ودماغ یہ بات تسلیم کرنے سے عاری ہوتا ہے اس پر دوست کی حقیقت واضح تو ہوتی ہے کہ وہ لڑکیوں سے فلرٹ کرتا رہتا ہے لیکن اسے اس بات کا یقین نہیں تھا پھر بھی دل کی تسلی کے لیے وہ عارض کو زیبا کی تصویر دکھاتا ہے تو وہ اسے پہچاننے سے انکار کردیتا ہے۔ آغا جی نے سنجنا کی ضمانت کرادی تھی لیکن اب سنجنا امریکہ میں ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے مشکل پیدا کررہی تھی۔ سنجنا عارض کے اپارٹمنٹ کے باہر مستقل اپنا ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جاتی ہے۔ یہی بات آغا جی کو بہت پریشان کرتی ہے۔ شرمین اذان کے ساتھ زینت آپا سے ملنے آتی ہے تو وہ ششدر رہ جاتی ہے تب شرمین انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کر کے بوبی کے ساتھ منگنی سے معذرت کرلیتی ہے۔ زینت آپا افسردہ ہوکر شرمین کو بوبی سے ملنے کا کہتی ہیں۔ صفدر جہاں آرا بیگم کے ساتھ نئے گھر میں شفٹ ہوجاتا ہے لیکن اب اسے کسی کل چین نہیں رہتا۔ زیبا کی باتیں عارض پر الزام لگ رہی تھیں صفدر کی نظر میں زیبا اس سے اس کی دوستی چھین رہی تھی جبکہ زیبا اس حقیقت لیے صفدر کے سامنے سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی۔ بوبی اذان کو دیکھ کر تلملا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی صورت یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کہ شرمین ایک آٹھ سال کے بچے کی ماں ہے جبکہ شرمین اس پر حقیقت آشکار نہیں کرتی اور بوبی کے آگے شرط رکھتی ہے کہ وہ اسی صورت شادی کرے گی جب وہ اذان کو قبول کرے گا۔ عارض کو شاپنگ کے دوران شرمین نظر آتی ہے وہ شرمین کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے ساتھ بچے کو دیکھ کر اپنی جگہ ٹھہر جاتا ہے جبکہ شرمین اس کو دیکھ کر نظر انداز کرتی دوسری شاپ کی طرف چل دیتی ہے۔ عارض اس بچے کے بارے میں صفدر سے معلوم کرتا ہے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ شرمین پر صبیح احمد کی زندگی کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ صبیح احمد زندہ ہے اور اپنے علاج کے لیے بیرون ملک مقیم ہے۔ شرمین ایک بار پھر پرانی محبت کے حصار میں آجاتی ہے جبکہ عارض بھی اب اس سے بات کر کے معاملات کو سلجھانا چاہتا ہے۔ زیبا اب صفدر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی لیکن وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ صفدر اس کے گناہ گار کو سزا دے یک طرفہ محبت نے زیبا کو صفدر کی نظروں میں رسوا کردیا ہے صفدر بھی اپنے عہدو پیماں بھول کر غصہ کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

بلیو سادہ سے سوٹ میں جلدی جلدی بالوں میں برش کر کے اذان کو شاور کے لیے واش روم میں بھیجا وہ کافی لیٹ ہورہی تھی۔

زینت آپا کے تین چار فون آچکے تھے۔ اذان کے کپڑے الماری سے منتخب کر کے نکالے تو فون بجنے لگا۔ اسے لگا کہ آپا ہی کا فون ہوگا۔ مگر نیا نمبر دیکھ کر وہ کچھ ہچکچائی مگر پھر اٹینڈ کرلیا۔

"ہیلو۔"

"میڈم شرمین از دیئر۔"

"جی۔"

"میں صبیح احمد صاحب کا وکیل ایم عالم بیگ بات کررہا ہوں آپ کو اطلاع دینی تھی کہ مسٹر صبیح احمد اب دنیا میں نہیں رہے۔"

"آہ......!" ایک چیخ حلق کے اندر دم توڑ گئی سماعت پتھرا گئی غیر متوقع اتنی افسوس ناک اطلاع اس کی آنکھوں سے جانے کیوں موٹے موٹے آنسو ٹوٹے اور رخسار پر پھسل گئے۔

"آپ سن رہی ہیں نا؟" بیرسٹر صاحب کو خاموشی پر کہنا پڑا۔

"آپ مجھے کیوں بتارہے ہیں؟" کڑے ضبط کے ساتھ بولی۔

"مرحوم نے آپ کو بتانے بلکہ ول بھی آپ تک پہنچانے کو کہا تھا۔"

"میرا فون نمبر؟"

"وہ میں نے ہاسٹل کے چیف ایگزیکٹیو باجوہ صاحب سے لیا اذان کے لیے ان سے میرا رابطہ رہتا تھا۔ امید ہے آپ کے پاس اذان خیریت سے ہوگا۔"

"جی مگر مجھے صبیح احمد کی ول سے کوئی سروکار نہیں۔"

"میڈم اذان کی کفالت کے تمام تر امور، مسٹر صبیح احمد نے آپ کے نام لکھوادئے ہیں۔ تو پھر آپ وقت بتائیں کب ملاقات ہو رہی ہے؟"

"آپ کو کنفرم ہے کہ صبیح احمد......؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"جی، کنفرم ہے انہیں وہیں مسلم قبرستان میں دفن کردیا گیا ہے۔"

"اوہ......" وہ بے دم سی ہو کر دیوار سے لگ گئی۔

"پھر۔"

"ابھی میں اس پر بات نہیں کرسکتی پلیز۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"او کے آئی ایم سوری۔"

"اٹس او کے۔"

"ٹھیک ہے ول میرے پاس محفوظ ہے آپ جب چاہیں، او کے اللہ حافظ۔"

وکیل صاحب نے فون بند کردیا مگر وہ دل و دماغ میں اٹھنے والے یادوں کے طوفان کو کہیں بند نہیں کرسکتی تھی۔ بس ڈوبتے دل کے ساتھ کمرے سے نکل کر برآمدے کے ستون سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگی۔ نفرتوں کی دبیز تہہ میں دفن ہونے کے باوجود وہ سامنے آ گیا تھا۔ ان پر کیا گزری ہوگی، تنہا موت سے ملتے وقت کس دکھ سے گزرے ہوں گے؟

"اوہ صبیح احمد! تم اس قدر بدقسمت تھے کہ آخری لمحوں میں کوئی تمہارے پاس نہیں تھا، کوئی تڑپنے والا جان کنی کے کرب میں آنسو بہاتے ہوئے سورہ یاسین پڑھ کر سکون قلب دینے والا نہیں ہوگا۔ تم نے کیسی سزا پائی، وطن سے دور، اپنے بیٹے سے دور گھر بنالیا۔ ہمیشہ کے لیے وہیں رہ گئے کس قدر تڑپے ہوں گے روئے ہوں گے اور جان، جان آفریں کے سپرد کی ہوگی میں اذان کو کیسے بتاؤں گی، کیسے؟"

"ماما۔" اذان کی آواز پشت سے آئی تو وہ چونکی۔

"ہمنہہ۔" جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

"فون آرہا تھا۔"

''لاؤ'' اس نے فون دیکھا زینت آپا کا تھا مگر بند ہو چکا تھا۔
''ماما آپ ڈیڈی کو یاد کر رہی تھیں؟'' اذان نے معصومیت سے پوچھا تو وہ پھٹ پڑی پھوٹ پھوٹ کے رودی۔
''ڈیڈی خراب ہیں۔''
''نہیں، وہ آپ کے اچھے ڈیڈی......'' وہ اس کو بانہوں میں بھر کے ادھورا جملہ بول کے اسے لیے کمرے میں آ گئی دل غم سے پھٹا جا رہا تھا زینت آپا کو طبیعت خرابی کا میسج کر کے بیڈ پر دراز ہو گئی۔
ماضی کی فلم نگاہوں میں چلنے لگی۔ سحر انگیز شخصیت کا مالک، نفاست و لطافت کا وجیہہ پیکر جس سے اس نے دیوانہ وار محبت کی تھی وہ منوں مٹی تلے سو گیا تھا۔ ایک آزمائش دے کر، امتحانی مرکز میں چھوڑ کر اس نے برابر لیٹے اذان کو دیکھا جو بے فکر اور بے غم آنکھیں موندے لیٹا تھا ہر بات سے لاعلم...... بے خبر۔

زینت بیگم نے خاموشی کے ساتھ کھانا اپنے کمرے میں ہی کھایا۔ بڑے اہتمام سے ڈھیر ساری چیزیں انہوں نے تیار کروائی تھیں۔ مگر شرمین کا میسج پڑھ کر خاصی افسردہ سی ہو گئیں، بابا کو صرف بوبی کے لیے کھانا لگانے کا کہا مگر بوبی تو آگ بگولہ ہو کر ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ بھولی برتن لے کر جا رہی تھی وہ اس سے ٹکرایا چھناکے سے سب برتن کرچی کرچی ہو گئے۔ زینت بیگم چلا اٹھیں۔
''یہ کیا...... کیا آپ نے؟''
''مجھے یہ بتائیں کہ وہ کیوں نہیں آئی، اس لڑکے کی وجہ سے۔'' وہ برتنوں کی ٹوٹ پھوٹ نظر انداز کر گیا۔ بھولی نے جلدی جلدی کرچیاں ٹرے میں رکھیں اور باہر نکل گئی۔
''جو بھی وجہ ہو آپ یہ پوچھنے کے مجاز نہیں۔''
''کیوں، ہماری بات طے ہوئی تھی۔''
''ہوئی تھی، جو آپ کی نادانیوں کے سبب ختم ہو گئی۔''
''کون سی نادانی، میں شرمین کی طرح سنجیدہ بابا بن جاؤں۔''
''یہی...... یہی زبان کی خرافات اس رشتے کا خاتمہ بنی ہیں۔'' زینت بیگم کو غصہ آ گیا۔
''کیا مطلب ہے آپ کا؟''
''بڑی دعائیں کیں، مگر آپ کو عقل نہ آئی پہلے شرمین، شرمین کی رٹ لگائی اور پھر اسی سے الجھنا بحث کرنا وطیرہ بنا لیا۔ اب شرمین کو بھول جاؤ وہ شاید آپ کی وجہ سے کھانے کے لیے نہیں آئی۔''
''نہیں، وہ اس پراسرار بچے کی وجہ سے نہیں آئی۔''
''یونہی سمجھ لو۔''
''آپ کو مجھ سے ہمدردی نہیں۔''
''بوبی شرمین آپ سے بدظن ہو چکی ہے رہ گئی بات اذان کی تو وہ اسے نہیں چھوڑ سکتی۔'' انہوں نے واضح کر دیا۔
''اور مجھے اذان قبول نہیں۔''
''تو پھر ٹھیک ہے، بھول جاؤ اسے۔''
''یہ آپ کہہ رہی ہیں۔''
''مجبوری ہے، شرمین کو میں مجبور نہیں کر سکتی۔''
''ٹھیک ہے میں واپس چلا جاؤں گا۔''
''بصد شوق۔'' وہ رنجیدہ خاطر ہو کر بولیں۔
''یعنی آپ کو فرق نہیں پڑتا۔''

"تو کیا کروں ہما آپ کے پاؤں پکڑوں، ہاتھ جوڑوں، بوڑھی بیمار ماں کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔" وہ عشاء کی اذان سن کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں جانتا ہوں آپ شرمین کو فیور کر رہی ہیں۔"

"وہ غلط نہیں تھی کبھی بھی، جب بڑی بن کر سمجھاتی تھی تب بھی آپ نہ سمجھے اس سے عشق فرماتے وہ بے زار ہوتی مگر اڑے رہے جب اس نے قبول کیا تو حماقتیں شروع کر دیں اذان میرے لیے بھی باعث تشویش ہے لیکن وہ باشعور ہے مرضی کی مالک ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے چھوڑ دو، جانے کس وجہ سے وہ اس کے ساتھ ہے۔" انہوں نے کچھ نرمی اختیار کی۔

"میں ضرور پوچھوں گا۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا تو وہ بے بسی سے سرد آہ بھر کے وضو کرنے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئیں۔

***
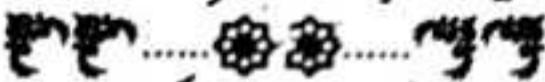
رات آنکھوں میں گزارنے کے بعد صبح کسی انسان کی کیا حالت ہو سکتی ہے یہ آئینے کے روبرو کھڑے ہو کر اس نے پورے سچ کے ساتھ دیکھا۔ محسوس کیا سرخ انگارہ آنکھیں، متورم پپوٹے، سیاہ حلقے، کملایا ہوا چہرہ، کنپٹی کی تنی ہوئی رگیں جو بڑی نمایاں ہو گئیں تھیں برسوں کی مریضہ سے مل رہی تھی۔

"شرمین، محبت کی میت دفن ہوتی ہے تو ایسا ماتم بپا ہوتا ہے۔ روح ایسے بین کرتی ہے بدن ایسے سسکیاں لیتا ہے یہ جان لو کہ تم پر ایسی قیامت ہی گزری ہے کچھ بھی تھا کبھی سب کچھ ہی تھا۔" اس نے الجھے بالوں میں برش کر کے آج خود کو تیار ہی سمجھا مگر پھیکی تصویر میں رنگ بھرنے کے لیے جیسے صبیح احمد کی آواز کانوں میں گھنٹیاں سی بجانے لگی۔

"لپ اسٹک میرے جانے کے بعد لگایا کرو۔" یہ شکوہ اس کو گلنار کر دیا کرتا وہ لپ اسٹک ہاتھ سے لے کر رکھ دیتے اور اسے لو دیتی نگاہوں سے دیکھتے۔ وہ ان نگاہوں کا مطلب خوب سمجھتی تھی جان چھڑانے کو دور بھاگ کر الٹی سیدھی لپ اسٹک کی تہہ ہونٹوں پر جما لیتی وہ خود سر اور انا پرستی کے مارے پھر ہفتوں اسے دیکھنے بھی نہ آتے۔

"اب میری لپ اسٹک سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، بلکہ بہت عرصے سے یہ سب قصے پرانے ہو چکے ہیں، مگر جانور کے اپنے پسندیدہ جانور کے رخصت ہونے کا بھی ملال ہوتا ہے۔ تم سے تو محبت کا تعلق تھا۔ معاف کرنا، اب تمہارے کہنے سے نہیں اپنے دکھی دل کی آواز پر یہ رنگ بھرنے کو جی نہیں چاہ رہا۔ میں تمہارے سوگ میں نہیں بلکہ اذان کی یتیمی پر مغموم ہوں، تم نے اپنے طور پر کتنا دانش مندانہ فیصلہ کیا۔ صبیح احمد تم تو اب ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں شامل ہو گئے ہو، اذان مجھے سونپ کر تم نے خود سے میرا رشتہ پھر سے مضبوط کر لیا ہے۔ میری سب راہیں مسدود کر دی ہیں۔" وہ کھڑی بڑبڑا رہی تھی مگر اذان نے اسے چونکا دیا ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک ہاتھ میں لیے وہ رنگ بھرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ وہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اس سے لپٹ گئی، اس کی پیشانی چومی اور پھر لپ اسٹک لگائی اذان خوش ہو کر اپنا اسکول بیگ اٹھا کر ریڈی ہو گیا۔

"دودھ کا گلاس بھی خالی کرنا ہے۔" اس نے جلدی سے گاڑی کی چابی اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ماما پلیز دل نہیں چاہ رہا۔"

"دل کو سمجھاؤ، چلو شاباش جلدی۔" اس نے خود گلاس اٹھا کر اس کے منہ سے لگایا تو اسے پینا پڑا۔ اس کے اسکول کا ٹائم ہو رہا تھا اس نے اسے بھاگنے کا اشارہ کر کے کمرہ لاک کیا تو زینت آپا کا فون آ گیا۔

"السلام علیکم آپا۔ میں آفس آ رہی ہوں اذان کو اسکول ڈراپ کر کے۔" اس نے کہا۔

"آپ کی طبیعت کیوں خراب ہو گئی، لو اچھا میں گھر آتی ہوں۔" اس نے دوسری طرف کی بات سن کر فون بند کیا۔ گاڑی تک پہنچ گئی تھی، اذان نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پہلا سوال کیا۔

"ماما کس کے گھر؟"

"وہ آپ کی نانو کے گھر۔"

"وہ آپ کی ماما ہیں۔"

"ہمم یہی سمجھ لو، اچھا ڈائری دھیان سے نوٹ کرنی ہے چیک کرنا ہے۔" اس نے اس کی گفتگو کا موضوع بدلا۔

''ماما ڈیڈی کو اب تو بلالیں۔'' اذان نے اچانک کہا تو گاڑی جھٹکے سے رک گئی۔ اس کا دل ڈوب سا گیا آنکھوں میں اس کے لیے ترس نمی بن کر گھوم گیا۔ اذان اس کی آنکھیں دیکھ کر جلدی سے بولا۔
''اچھا، اچھا رہنے دیں میں بھی تو ان سے ناراض ہوں۔'' وہ سمجھا کہ شاید اس کی آنکھوں میں ناراضگی ہے۔
''میں ناراض نہیں ہوں۔'' اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔
''تو پھر، پھر فون کریں۔'' وہ خوش ہوگیا۔
''ہنہ۔''
''پھر ڈیڈی مجھے اسکول چھوڑ دیا کریں گے۔'' وہ اپنی ترنگ میں کہہ گیا۔ تو وہ ہنس کر ٹال گئی۔
''آپ کے ڈیڈی کا یہ مزاج نہیں وہ تو ابل کر پانی نہیں پیتے۔''
''ہاہاہاہا......!'' اذان سوچ کر ہنس دیا بات تو سچ تھی اسکول کے گیٹ پر اس نے اذان کو چھوڑا اور پھر واپسی کے لیے گاڑی موڑی۔

......❀❀......

زینت آپا اسٹک کے سہارے واش روم گئی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے گھٹنے کا درد شدت اختیار کرگیا ہے وہ پر ملول سی ان کی میڈیسن اٹھا کر دیکھنے لگی بھولی ان کا ناشتہ کمرے میں ہی لے آئی تھی اسے دیکھ کر خوشی سے بولی۔
''باجی آپ آگئیں۔''
''ہاں یہ زینت آپا کی طبیعت کیسے خراب ہوگئی؟''
''وہ چھوٹے صاحب آپ کی وجہ سے لڑتے رہتے ہیں تو......!'' وہ رکی۔
''تمہیں بیگم صاحبہ کا تو بہت خیال رکھنا چاہیے۔''
''آپ واپس آجائیں نا۔''
''جاؤ، جا کر ایک کپ چائے بنا کر لاؤ۔'' اس نے کہا تو وہ چلی گئی اسی اثناء میں واش روم کا دروازہ کھلا زینت آپا باہر آئیں اس نے لپک کر انہیں سہارا دیا وہ خوش ہوگئیں۔
''تم آگئیں۔''
''آپا یہ طبیعت اتنی خراب کیسے ہوگئی؟'' بیڈ پر تکیے کے سہارے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔
''ایک ٹینشن ہے نہ میرے مقدر میں۔''
''یوبی کی باتوں کو آپ سیریس نہ لیا کریں۔''
''تم نے کیا حال بنا رکھا ہے۔'' انہوں نے نظر جما کر دیکھا۔
''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ ٹال گئی۔
''کہاں ٹھیک ہو؟ کیا بات ہے بتاؤ۔''
''کچھ نہیں بس ویسے ہی رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔''
''کوئی وجہ۔''
''تھی بھی اور نہیں بھی۔''
''بتاؤ۔''
''آپ ناشتہ کریں، چھوڑیں۔'' اس نے ناشتے کی ٹرے ان کے سامنے رکھی۔
''شرمین ایک بات کہوں۔''
''جی۔''
''زندگی کا سفر سہل نہیں، اذان کی ذمہ داری نہ لو، میں ایسا یوبی کی وجہ سے نہیں کہہ رہی، کیونکہ مجھے تم بھی بہت عزیز ہو۔''

”جانتی ہوں لیکن آپا اب تو چاہ کر بھی ایسا نہیں کرسکتی، کیونکہ اب اذان کا میرے سوا کوئی نہیں۔“ اس کا لہجہ اشک بار ہوگیا۔
”کیا مطلب؟“
”صبیح احمد اب دنیا میں نہیں رہے۔“
”ک.....کیا..... تمہیں کس نے بتایا؟“ ان کی آواز لڑکھڑائی۔
”ان کے وکیل نے.....اب ایسے میں اذان صرف میری ذمہ داری بن گیا ہے۔“
”لیکن شرمین یہ تو تمہارے اپنے ساتھ زیادتی ہوگی اس نے پہلے ہی تمہاری زندگی برباد کی، اب مر گئے تو بھی اپنا بیٹا تمہارے گلے کا ہار بنا گئے۔ ان کی بہن ہے اور بھی کوئی ہوگا یا پھر میرے پاس چھوڑ دو۔“
”آپا وہ مجھے ماما تسلیم کرچکا ہے، صبیح احمد نے یہ ستم ہم دونوں کے ساتھ کیا ہے ان کی بہنوں کا مجھے کچھ اتا پتا نہیں اور کاغذات میں، اپنے خط میں انہوں نے اعتبار ہی میرے نام کیا ہے، میرے اعتبار کو پامال کرنے والے نے اپنا اعتبار صرف مجھ پر کیا ہے ہے نا مزے کی بات۔“ وہ بولتے بولتے طنزیہ ہنسی۔
”کچھ بھی ہے وہ تمہاری محبت، تمہارے خلوص کو فریب دے کر گئے تھے بیٹا اصل ماں کے حوالے کرتے۔“ زینت بیگم کو غصہ آرہا تھا۔
”آپا آپ کا غصہ بجا ہے، اپنی مثال تو کچھ ایسی ہے۔
ہجر پہ بھی نادم تھے وصل پر بھی شرمندہ
وہ بھی رائیگانی تھی یہ بھی رائیگانی ہے“
”اور پھر بھی تم خود کو مشکل میں ڈالنا چاہتی ہو۔“
”ڈال چکی ہوں آپا اب تو کچھ بھی اختیار میں نہیں۔“
”پلیز شرمین۔“ انہوں نے پرامید لہجے میں پکارا لیکن بھولی، چائے بنالائی تھی وہ کچھ بول نہ سکی۔ چائے پینے لگی واپس جاتے ہوئے اس نے فقط اتنا کہا۔
”مجھے معاف کردیجیے۔“ اور ان کا جواب سنے بغیر ہی آ گئی بوبی کو نہ ملنے کا فیصلہ چند منٹ پہلے ہی کیا تھا کیونکہ بوبی کو سمجھانا مشکل تھا۔

❀❀

صبح کا وقت سڑکوں پر ایک طوفان بپا ہونے کا وقت ہوتا ہے اسکول، کالجز، دفتر آباد ہونے کا وقت ٹریفک کا اژدحام سب کو آگے نکلنے کا جنون، بے صبری اور جلد بازی کے مناظر ایسے میں گاڑی چلاتا وہ بھی اس ٹینشن میں کہ عبدالصمد چارپائی سے منہ کے بل گرا ہے، اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے، نمی نے تو محض اطلاع ہی دی تھی یا مقصداً سے بلانا تھا اسپتال لے جانے کے لیے جہاں آرا تو تڑپ کر اس کے سرہانے کھڑی رونے لگیں۔ ان کی پریشانی دیکھ کر وہ جیسا سویا تھا اسی لباس میں گاڑی نکال لایا، بے چین تو خود بھی ہو کر اندر آیا، مگر پھر خود پر کنٹرول کرتے ہوئے زیبا پر برس پڑا ننھے عبدالصمد کو اس کی گود سے چھینا۔
”کرتی کیا ہو، ننھے سے بچے کی دیکھ بھال نہیں کرسکتیں۔“
”ارے بیٹا سارا دن اسی میں لگی رہتی ہے لیکن بس اب یہ چارپائی پر سکون سے نہیں لیٹتا۔“ حاجرہ نے بیٹی کی طرف سے صفائی دی۔
”تو..... دھیان کس نے رکھنا ہے۔“ وہ ناک سے خون آلود رومال ہٹا کر دیکھتے ہوئے بولا۔
”میں نے اور ہوتے کون ہیں آپ؟“ زیبا نے جھنجلا کر کہا۔
”یہ بعد میں بتاؤں گا، فی الحال جارہا ہوں۔“ عبدالصمد کو لے کر وہ باہر کو لپکا تو وہ چلاتی ہوئی پیچھے آئی۔
”چھوڑو، میرے بیٹے کو، یہ میرا بیٹا ہے تم اسے نہیں لے جاسکتے۔“
”میں اس وقت تم سے الجھنا نہیں چاہتا، لے جارہا ہوں روک سکتی ہو تو روک کر دکھاؤ۔“ وہ پلٹ کر غرایا اور باہر نکل گیا۔

”لے جانے دو، اسپتال لے جانا ضروری ہے۔“
”کوئی ضروری نہیں ہے، میں خود دیکھ لوں گی۔“ وہ پیچھے بھاگی تو وہ عبدالصمد کو گاڑی کی سیٹ پر لٹا کر اندر آیا اور خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور کلائی تھام کر کھینچتا ہوا اسے باہر گاڑی تک لایا پچھلا دروازہ کھول کر اندر دھکیلا، گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے مشتعل ہو کر بولا۔
”لے جا رہا ہوں عبدالصمد کے ساتھ، اب جی چاہے تو چھلانگ لگا دینا میں نہیں روکوں گا۔“ ساتھ ہی گاڑی اسٹارٹ کی اور برق رفتاری سے نکال لے گیا۔ منھی اور حاجرہ بیگم دروازے سے دیکھتی رہ گئیں۔
”اپنے بیٹے سمیت چھلانگ لگاؤں گی۔“ اس نے غصے سے کہا تو وہ پلٹ کر گھورتے ہوئے بولا۔
”یہ تمہارے جہیز میں نہیں آیا۔“
”اس کے دعویدار آپ بھی نہیں ہیں۔“ وہ بھی قرض چکانے کے فن سے آشنا ہو گئی تھی۔
”کس قدر ڈھیٹ ہو، اپنی فضول حرکت پر شرمندہ ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔“ وہ دانت کچکچا کے گاڑی چلانے میں منہمک ہو گیا تو وہ بھی ندامت کے کڑوے گھونٹ بھر کے ضبط کر گئی۔ ویسے بھی عبدالصمد اب پھر درد سے رونے لگا تھا۔

پوتے کو شدت جذبات سے چومتے ہوئے وہ پہلی بار زیبا پر برس پڑیں حالانکہ صفدر نے عبدالصمد کو اسپتال سے واپسی پر انہیں تسلی دے دی تھی کہ منہ کے بل گرنے سے ناک کے رستے خون آ گیا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں، ایک سیرپ لکھا تھا جو صفدر ان کے حوالے کر گیا تھا اس کا آفس جانا ضروری تھا، زیبا نے نئے گھر کو طائرانہ نگاہوں سے دیکھا مگر جانے کے لیے تو کہنا ہی تھا جس پر وہ بڑے تیکھے تیوروں کے ساتھ بولا۔
”اس وقت تو نہیں جا سکتیں جب تک میری طاقت کا اندازہ نہ کر لو۔“
”تو گویا آپ زبردستی مجھے یہاں رکھیں گے۔“ اس نے بھی تیکھے ہی انداز کو نرمی میں ڈھالتے ہوئے کہا۔
”یہ کس نے کہا؟“
”پھر کیوں لائے ہیں؟“
”تاکہ میری ماں کو تم سے نفرت ہو جائے۔“ وہ خوامخواہ ہی یہ کہہ گیا۔
”اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امی کے ذریعے بیٹے پر حق جتانا چاہتے ہیں وہ مجھے نفرت سے نکال دیں اور پوتے کو رکھ لیں کتنے بے حس ہیں آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ نفرت سے محبت ختم نہیں ہو سکتی رشتے کمزور پڑ سکتے ہیں اگر نفرت سے محبت مر سکتی تو آپ بے قرار ہو کر بیٹے کے لیے میرے پاس نہ آتے، اسے اسپتال نہ لے جاتے اور یہاں تو بالکل نہ لاتے اور غور کریں آپ کی نفرت خاصی عمر رسیدہ ہو کر بھی بیٹے کی محبت ختم نہیں کر سکی۔“ اس نے چسکا لیتے ہوئے خاصی لمبی بات کی تو وہ سلگ اٹھا۔
”بھول ہے، اب تو چال بازی اور الزام تراشی پر نفرت میں اضافہ ہوا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر بریف کیس اور لیپ ٹاپ اٹھا کر چلا گیا تو وہ جہاں آرا بیگم کے پاس آ گئی مگر انہوں نے بھی پہلی بار توپوں کا رخ اس کی طرف رکھا۔
”ارے بہو بیگم، ایک ننھا سا بچہ سنبھال نہیں سکیں، خدانخواستہ چوٹ خطرناک ہوتی تو، تم اس لیے میکے میں ہمارا بچہ لے کر بیٹھی ہو کہ......“
”کہ کیا؟ امی میں ماں ہوں، بھلا کیوں کر خیال نہیں رکھوں گی۔“
”یہی تو حیرت ہے یہ اتنا بڑا گھر بھائیں بھائیں کر رہا ہے میں ہر وقت سنبھالنے کو موجود ہوں ہر آسائش گھر میں ہے پھر بھی ہمارا بچہ اس ماحول میں پل رہا ہے کیا کہوں؟“ جہاں آرا نے کوئی کمی نہ چھوڑی آسائشیں سہولتیں سب گنوا دیں تو زیبا کی آنکھیں بھر آئیں۔
”آپ نے یہ نہیں کہا کہ اس بڑے گھر میں ہماری گنجائش کتنی ہے، ہے بھی کہ نہیں۔“
”کیا مطلب، تمہارا گھر ہے اگر سمجھو تو، اب تو مجھے اپنے صفدر پر ترس آتا ہے، شادی کے بعد کون سا سکھ ملا ہے اسے یہ معصوم

اللہ نے رونق بنا کر بھیجا تو تم میکے لیے بیٹھی ہو، اب کان کھول کر سن لو، تم نے جانا ہے تو جاؤ میرا پوتا کہیں نہیں جائے گا۔" انہوں نے خوب کھری کھری سنا کر فیصلہ بھی کر دیا۔

"یہ سب اپنے بیٹے سے کہیے گا۔"

"کہہ دیں گے چلو اب جا کر کچن دیکھو، ایک کپ چائے اور رس ہی لا دو، ہم نے تو پریشانی میں کھیل تک منہ میں نہیں ڈالی۔" انہوں نے بے تکلفی سے کہا تو اسے آنکھیں صاف کرتے ہوئے باورچی خانے کا رخ کرنا پڑا۔

وہ بھی اپنی جگہ حق بجانب تھیں۔ حالات تو ان دونوں کے درمیان سر پٹخ رہے تھے۔ انہیں حقیقت نہیں معلوم تھی۔ وہ تو یہی جانتی تھیں کہ زیبا بسنا نہیں چاہتی، اب تو انہیں کامل یقین ہو چکا تھا اپنی سگی والدہ حاجرہ بیگم کی طرح کہ صفدر بے قصور ہے زیبا ہی غلط ہے۔

"اے اللہ میں کیا کروں، جس شخص کو سب دیوتا سمجھتے ہیں اس کا ظرف اتنا چھوٹا ہے کہ وہ فراخدلی سے معاف کر کے اپنے دل اور گھر کے دروازے مجھ پر نہیں کھولتا، گھر چھوٹا ہو یا بڑا کیا فرق پڑتا ہے جب گھر کے سرپرست نے دل پر بھاری تالا لگا کر چابی سمندر میں پھینک دی ہو۔" اشک بار نگاہوں کو رگڑ کر اس نے اللہ سے ہی فریاد کی اور چائے بنانے کے لیے ساس پین میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔

❀❀

اذان کو اسکول سے پک کرنا تھا۔ اس نے پہلے سوچا کہ آفس سے ڈرائیور کو سمجھا کر بھیج دوں مگر بوبی کے آفس آنے کی اطلاع پر اور انٹرکام پر اپنے آفس میں بلانے کی بات پر بے زار ہو کر خود جانے کا ارادہ کیا۔ سرکلر روڈ سے ہو کر فیروز پور روڈ سے ذرا پہلے ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹائر پنکچر ہو گیا۔ دھیرے دھیرے اس نے گاڑی سڑک کے کنارے لگائی، چند لمحے سخت پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اتر کر چاروں طرف نظر گھمائی، مگر بھاگتی دوڑتی زندگی میں کسی کے پاس اس کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ سخت پریشانی کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا اذان کی چھٹی کا وقت قریب تھا۔

"یا خدا، کیا کیا جائے۔" یہ سوچ کر اس نے ورکشاپ کے مالک کا نمبر تلاش کیا۔ پھر خود ہی ایسا نہ کیا اپنی مدد آپ کے خیال سے ٹول گاڑی سے نکالے ایکسٹرا ٹائر باہر نکالا ٹائر بدلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

وہ متاثر ٹائر کی طرف بڑھی ہی تھی کہ سفید ایکسل آئی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی بالکل اس کے قریب رک گئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو حیرت و بے زاری دونوں ایک ساتھ اس پر طاری ہوئے جسے عارض اور ڈرائیور نے واضح طور پر محسوس کیا۔

"ہائے۔" وہ گاڑی سے نکل کر اس کے قریب آ کر مسکراتے ہوئے بولا وہ منہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھو، یہ مناسب جگہ ہے نا مناسب وقت پلیز میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" وہ بہت دھیرے سے بولا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

"پلیز آپ جائیں تماشا نہ لگائیں۔" اس نے بھی بڑے دھیمے لہجے میں کہا۔

"کوئی تماشا نہیں ہے گاڑی کا ٹائر بدلنا ہے بدلوا دیتا ہوں تم میری گاڑی میں بیٹھو۔" اس نے ٹائر دیکھتے ہوئے کہا۔

"فار گاڈ سیک، جائیں آپ، میں ٹائر بدل سکتی ہوں۔" اس نے غصے سے کہا۔

"میں بہت برا ہوں مگر تم اتنا بھروسہ مجھ پر کر سکتی ہو۔"

"دیکھیے عارض صاحب مجھے کسی کے بھروسے کی ضرورت نہیں۔"

"شرمین آپ کو کوئی تو جلدی ہو گی آپ گاڑی میں چل کر بیٹھو میں ڈراپ کر دیتا ہوں ڈرائیور ٹائر بدل کے گاڑی پہنچا دے گا پلیز ٹرسٹ می۔" اس نے آخری کوشش کی تو اسے اذان کا خیال پریشان کرنے لگا، اس کی چھٹی ہو چکی ہو گی اور وہ گیٹ سے لگا کھڑا ہو گا۔

"میں رکشہ لے سکتی ہوں۔"

"پلیز رکشہ اس وقت ملنا مشکل ہے۔"

”مگر۔“ وہ سخت تذبذب کا شکار ہوئی۔

”پلیز تم آؤ۔“

”نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے یہ گاڑی کی چابی ہے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیجیے گا۔“ وہ بڑی مشکل سے یہ مدد لینے کے لیے آمادہ ہوئی پرس کندھے پر ڈالا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ چابی ہاتھ میں پکڑے اسے پشت سے دیکھتا رہا، کچھ دور جاکر اس نے ٹیکسی روکی اور بیٹھ کر چلی گئی۔ تب عارض نے ڈرائیور کو چابی تھما کر پتا سمجھا دیا۔ اس کے دل کو اس وقت بہت قرار حاصل ہوا تھا یہ بھی بہت کافی تھا کہ وہ یوں مل گئی۔ اسے دیکھ لیا اسے سن لیا، ورنہ کوئی امید اسے اب نہیں رہی تھی کچھ تو بہتری ہوئی تھی اس نے اتنی بات مان لی تھی ورنہ جو سلوک اس نے روا رکھا تھا اس کے بعد بچا ہی کیا تھا آج کی اتفاقی ملاقات پر دل خوشی سے بھر سا گیا تھا۔

یہی بہت ہے کہ دل اس کو ڈھونڈ لایا ہے

کسی کے ساتھ سہی، وہ نظر تو آیا ہے

کروں شکایتیں، تکتا رہوں کہ پیار کروں

گئی بہار کی صورت وہ لوٹ آیا ہے

وہ سامنے تھا مگر یہ یقین نہ آتا تھا

وہ آپ ہے کہ مری خواہشوں کا سایا ہے

اذان کو کھانا کھلا کر سلا دیا تھا۔

خود بھی ذرا دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی آفس میں کام تھا اذان کو چھوڑ کر اسے واپس جانا ہوتا ہے مگر دو گھنٹے گزرنے کے باوجود عارض کا ڈرائیور گاڑی نہیں لایا تھا۔ اسے خود پر غصہ آرہا تھا کہ بلاوجہ گاڑی چھوڑ آئی آفس تو جانے کا وقت گزر گیا تھا۔ عارض سے یہ دوسری ملاقات تھی پہلی میں بات چیت نہیں ہوئی تھی آج بات کرنے کی وجہ سے ماضی کے بند کمرے کی کھڑکیاں جیسے ایک ایک کر کے کھل سی گئی تھیں مگر پھر اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لیں کہ مبادا کسی کھڑکی سے وہ کود کے باہر نہ آجائے۔

”نہیں عارض صاحب تم نے آنے پر شور شرابہ کیا تھا مگر جاتے ہوئے تو صرف ایک خاموش جملہ بھیجا تھا۔ سمندر پار سے ایک خاموش جملہ جو مجھے یہ یقین دلا گیا تھا کہ ہنگاموں سے مزین فیصلے لمحاتی ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔“ اس نے فقط اتنا سوچا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اسے اٹھ کر دروازہ کھولنا پڑا۔ مگر دروازہ کھولتے ہی وہ بھونچکا سی کھڑی رہ گئی۔ ایک بڑے سے خوش نما پھولوں کے گلدستے کے ساتھ عارض کھڑا تھا۔ اپنی پرکشش مسکراہٹ کے ساتھ اس نے باہر نکل کر دروازہ باہر سے بند کیا اور دھیرے سے کہا۔

”عارض صاحب میں آپ سے شناسائی کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی یہاں میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی ہوں۔ لہٰذا میں نہیں چاہتی کہ میرے بیٹے کے ذہن میں الجھنیں پیدا ہوں تم آپ چلے جائیں ان پھولوں کے ہمراہ۔“

”بیٹا......وہ......میں۔“ وہ بری طرح ہکلایا۔

”جی......اب جائیے۔“

”شرمین پلیز ہم بات کر سکتے ہیں۔“

”نہیں، ہماری کوئی بات نہیں ہوسکتی۔“

”ناراض ہو بجا ہے تمہاری ناراضگی۔“

”جی میں کسی سے ناراض نہیں ہوں، اب جائیے۔“

”عجیب سی بات ہے میں تمہاری زندگی میں خوشی لانے کا سبب بننا چاہتا تھا اس پر اب بھی خوش ہوں۔“ وہ جانے کیا کہنا چاہتا تھا۔

”جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے میری زندگی میری نہیں رہی، خوشیاں ہی خوشیاں ہیں میرے پاس مجھے

خوشیوں میں کوئی مداخلت قبول نہیں۔"
"میں نے تو تمہارے لیے مداخلت پہلے ہی چھوڑ دی تھی۔ مگر ایک بات یہاں لے آئی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر رکا۔
"کوئی بات اب ہو نہیں سکتی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔
"دراصل میرے لیے دونوں باتیں حیران کن ہیں۔" وہ گلدستہ دروازے کے ساتھ دیوار سے لگا کر رکھتے ہوئے بولا۔
"کون سی باتیں؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکلا۔
"شاید یہ مناسب جگہ نہیں۔" وہ بولا۔
"جی یہ میرا گھر آپ کے لیے مناسب جگہ نہیں میں کوئی فسانہ بنانا نہیں چاہتی۔" اس نے جلدی سے کہا اور دروازہ کھول کے اندر گئی اور پھر کھٹ سے دروازہ لاک کرلیا۔ اسے اپنی گاڑی کا پوچھنا بھی یہ ذہن نہیں رہا۔ دوبارہ عارض نے دستخط دی تو اسے مجبوراً اندر سے کہنا پڑا۔
"پلیز، جائیے یہاں سے۔"
"گاڑی پورچ میں کھڑی ہے اور چابی دروازے کے باہر سے اٹھا لینا۔" اس نے یہ کہا تو اس نے دروازہ کھول دیا وہ جا چکا تھا فرش پر چابی پڑی تھی اس نے چابی اٹھائی اور پھر بڑی اطمینان بھری سانس بھر کے اندر آ گئی گو کہ اس کے دل میں اب کہیں کمی وہ نہیں تھا مگر پھر بھی وہ کیوں سامنے آ کھڑا ہوا تھا، کیسے زندگی میں سب مرضی کے خلاف ہوتا چلا جاتا ہے پاس جنہیں بلانا چاہیں وہ دور ہو جاتے ہیں بنا کسی جرم کے کسی خطا کے اور پھر نہ چاہتے ہوئے دروازہ پر دستک دینے لگتے ہیں اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آیا تھا صبیح احمد کے لیے اپنی ذات مٹا ڈالی تو وہ دور ہی ہوتے چلے گئے۔ پھر اب نہ چاہا نہ بلایا تو اذان کی صورت وہ زندگی کا دروازہ کھول کر آئے اور عارض، عارض کو روکنا چاہا تو وہ محبت محبت کا جنون لیے زندگی میں گھس آیا پھر زندگی بنا کر رکھنا چاہا تو وہ بند دروازے سے بھی باہر نکل گیا اب کیوں پھر سے راہ میں آ رہا ہے۔ اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے اذان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سوچا جبکہ اب کچھ بھی حاصل نہیں تھا اذان کی خاطر تو وہ بوبی سے کنارہ کشی اختیار کر چکی تھی۔

کہتے ہیں کہ جب انسان کسی سے دور ہو کر بھی نہ اسے فراموش کر سکے تو یقیناً وہ اس کی الفت میں گرفتار ہے۔ عارض اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ اس نے واپس آ کر خود کو کمرے میں بند کر کے یہی اندازہ لگایا کہ وہ قطع تعلقی کا فریب ہی خود کو دیتا رہا اسے بھولا تو ایک دن بھی نہیں۔ اب جبکہ وہ سامنے آ گئی تو دل دکھی ہو رہا تھا ذہن میں طرح طرح کے سوالات آ رہے تھے شرمین ایک ناحل ہونے والا معمہ کیوں بن گئی تھی صبیح احمد کی زندگی، بوبی سے منگنی اور اب یہ بچہ میں کہاں رہ گیا؟ ان سب کے درمیان میری ہستی کیوں معدوم ہو گئی؟
"اے کاش میری صبیح احمد سے ملاقات ہی نہ ہوتی، کاش میں کھل کر پوچھ لیتا۔" اس نے افسردگی سے سوچا۔
"مگر اس سے بھی پہلے عارض صاحب آپ ایک نادانی تو خود بھی کر چکے تھے فضول سوال کر کے اس سے بدگمان ہو کے، صبیح احمد تو محض ایک بہانہ بنے، حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے اسے الجھایا۔ الٹے سیدھے سوال کیے محبت کی دلیلیں طلب کیں اور پھر صبیح احمد کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائی، کتنا عجلت کا فیصلہ کیا تھا ایک لمحے کو بھی کچھ نہ سوچا اور ایک بار بھی شرمین کو صفائی کا موقع نہ دیا۔ صفدر نے آغا جان نے کتنا سمجھایا مگر ایک نہ سنی، مگر اب، اب کیا حاصل، شرمین خوددار، باحوصلہ ثابت قدم لڑکی ہے نہ اس کا حوصلہ ٹوٹ سکتا ہے اور نہ اس کی انا کا خول، ایک بار بھی تو اس نے ماضی کا تعلق اپنی آنکھوں سے، اپنے لہجے سے، اپنی زبان سے باہر آنے نہیں دیا۔"
"مسٹر عارض سب ختم ہو گیا اب شرمین سے ملنا نہ ملنا ایک برابر ہے۔ وہ تمہیں معاف کر کے بھی معاف نہیں کر پائے گی۔ اب کوئی اس کی زندگی میں ہے یا نہیں سچ تو یہ ہے کہ تم کم از کم نہیں ہو تمہارے لیے اس کی زندگی میں کوئی گنجائش نہیں۔" اس نے پورے یقین کے ساتھ سوچا اور پھر ایزی چیئر پر آنکھیں موند کر بیٹھ گیا۔ مگر اپنے محبوب کی یادیں کب پیچھا چھوڑتی ہیں۔ شرمین تبسم سے بند آنکھوں کے آنگن میں آ گئی۔ اس کی موہنی صورت مدھر آواز نے جیسے پورے وجود میں آگ بھر دی۔ وہ بے قرار ہو

کر ٹہلنے لگا۔

جن کا ملنا محال ہو محسن
ان کی یادیں عذاب ہوتی ہیں

جو سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سلب کر لیتی ہیں۔

”شرمین میں تمہیں بھولنا چاہتا ہوں کیونکہ یہی میری سزا ہے میں محبت کا اہل نہیں مگر تم مجھے بھولتی کیوں نہیں، میں کیا کروں؟“ وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا تو گویا آواز گونج کر واپس آ گئی وہ دیوانوں کی طرح اپنے سر کے بال نوچنے لگا اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی وہ چونکا۔ اگلے ہی لمحے آغا جی کمرے میں آ گئے ان کی پیشانی شکن آلود تھی چہرے پر جلال تھا انہوں نے اس کی پریشانی پر غور ہی نہیں کیا بولنا شروع ہو گئے۔

”بزرگوں سے سنا تھا کہ اللہ ایک دے اور نیک دے میں نے ساری زندگی خود ایک اور نیک ہونے کا ثبوت دیا میرے والدین مجھ سے راضی ہو کر گئے اپنے لیے میں اتنا بدقسمت کیوں ہوں یہ سوال مجھے دکھی کر رہا ہے ستا رہا ہے میرے پاس بھی ایک بیٹا ہے مگر اس کے نیک ہونے پر مجھے شکوک کیوں ہو رہے ہیں؟“ وہ لحہ بھر کو چپ ہوئے تو وہ حیران پریشان سا بولا۔

”کیا مطلب؟“

”یار مجھے یہ بتاؤ آپ کہ آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آتی میں نے یہ کہا کہ اس ہندو لڑکی سے آپ کا کوئی نہ کوئی تعلق ہے تو آپ نے جھٹلایا حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آپ نے شرمین کو ٹھکرایا، اب وہ اپارٹمنٹ میں رہ کر آپ کا انتظار کر رہی ہے، یہ سب کیا ہے؟“ وہ پہلی بار حد درجہ مشتعل ہو کر بولے، وہ بڑی مشکل سے الفاظ اکٹھے کر کے بولا۔

”اپارٹمنٹ، وہ کب میں نے سچ کہا ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔“

”نہیں، میرا ہے میں نے معید صاحب کو کہہ کر اسے وہاں ٹھہرایا ہے ہاؤ ڈیئر شی۔ وہ میرے اپارٹمنٹ میں رہے آپ سے رابطے میں رہے۔“

”بابا ایسا کچھ نہیں ہے میرا رابطہ نہیں ہے آپ میرا فون چیک کر لیں۔“

”رابطہ تو تھا مسٹر معید کی تو میں نے ایسی کلاس لی ہے کہ اب اس کی صورت نہیں دیکھیں گے۔“

”بابا معید صاحب کا کوئی قصور نہیں ہے میں نے مدد کرنے کو کہا تھا۔“ وہ شرمندہ سا ہو کر بولا۔

”جانتا ہوں کیونکہ آپ کے لیے وہ اہم ہے مگر کیوں؟“ وہ چلائے۔

”جہنم میں جائے وہ میں اپنی پریشانی میں ہوں آپ اسے نکال باہر کریں۔“ وہ جھلا کر باہر نکل گیا آغا جی سر تھام کر بیٹھ گئے۔

❀❀
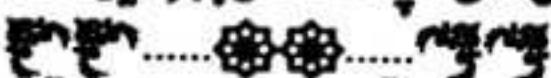
اس وقت وہ خاموش لیٹی کمرے کی چھت تک رہی تھی۔ جب صفدر غیر متوقع طور پر کمرے میں آ گیا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے شاید کوئی فائل لینی تھی اس لیے اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا وہ نظریں جھکائے اور بیڈ کی پٹی سے پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ پر عذر کرتے اور چنے ہوئے دوپٹے میں بال بکھرے بکھرے سے شانوں سے نیچے کی طرف جھول رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس وقت بھی خوب صورت اور نازک سی لگ رہی تھی۔ صفدر نے خود پر ضبط کیا اور اس کا دل جلانے کو ٹیبل سے فائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

”جب تک ہو، اپنا بیٹا خود سنبھالو یہاں آرام کرنے تو نہیں آئیں۔“

”کسی ایک طرف تو رہیں جب اپنا بیٹا کہتی ہوں تو بھی غلط، اب آپ کی مرضی سے وہ آپ کی امی کے پاس ہے تو بھی میں غلط آپ یہاں لے کر کیوں آئے؟“ وہ بھی جھٹے سے اکھڑ گئی۔

”غلط کو غلط ہی کہتے ہیں۔“

”تو پھر تسلیم بھی کر لیں کہ غلط ہی غلط ہوتا ہے میں غلط ہوں جبکہ آپ کو تو غلط صحیح کا فرق ہی معلوم نہیں۔“ اس نے طنز کیا۔

”مطلب؟“

"دوست صحیح اور میں غلط۔"
"یہ قصہ بھی ختم ہو ہی جائے گا پھر پوچھوں گا کہ کون غلط ہے اور کون صحیح۔"
"فی الحال مجھے اپنے گھر جانا ہے۔"
"ہاں لیکن اس کے لیے ایک کام کرنا ہوگا۔"
"کیسا کام؟"
"اپنی اداکاری سے میری امی کے دل میں اپنے لیے بہت ساری نفرت بھر دو، وہ تمہارا جانا خوشی سے قبول کرلیں گی۔"
"اور یہ کام تو آپ اچھا کرسکتے ہیں۔ میری اصلیت بتادیں۔" وہ بولی تو صفدر کو پتنگے لگ گئے۔
"وہ تم پر تھوکیں گی بھی نہیں دھکے مار کر نکالیں گی۔"
"اچھی بات ہے میرا اور میرے بیٹے کا پیچھا چھوٹ جائے گا۔" وہ غصے میں کہہ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی تو اس نے وہی خوب صورت بال مٹھی میں جکڑ لیے جو کچھ دیر پہلے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں آ گئی۔
"پلیز چھوڑیں مجھے...... پلیز۔"
"جانا تو ہے اتنی بھی کیا جلدی ہے کہیں رابطے بحال تو نہیں ہو گئے اپنے محبوب سے۔" وہ سختی سے کہہ کر جھٹکے سے بال چھوڑ کر فائل لیے کمرے سے نکل گیا اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔
"اتنے گھٹیا نفرت آمیز سلوک سے بہتر ہے میری جان لے لیں خاتمہ کردیں میرا۔" وہ سسکیاں بھرتے ہوئے وہیں بیڈ پر گر گئی۔ وہ تو جا چکا تھا اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر...... وہ کافی دیر روتی رہی منتہیٰ کا فون آتا رہا مگر اس نے اٹینڈ نہیں کیا۔

❀❀

رات وہ لیٹ گھر آیا۔
کمرہ خالی تھا لائٹس آف تھیں اس نے لائٹس آن کیں وہ شاید امی کے پاس سوگئی تھی یہ سوچ کر وہ چینج کرنے کے لیے واش روم میں گھس گیا کچھ دیر بعد باہر نکلا تو وہ کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں آ چکی تھی۔ روئی روئی صورت متورم آنکھیں، اداس ہونٹ، سفید سوٹ میں بالکل خاموش، ناراض سی پری کی طرح اس نے اچٹتی سی نگاہ ڈالی تو چند منٹ دیکھنا پڑا، وہ واپس پلٹنے کو تھی کہ وہ بولا۔
"میں نے تو کھانا نہیں مانگا۔"
"مجھے اخلاقاً ایسے کرنا پڑا۔" اس نے جتلایا تو وہ پھر بھڑک اٹھا اسے گویا اس کی زبان سے آگ لگنے لگی تھی۔
"اخلاقاً تم معنی جانتی ہو اخلاقیات کے اس گھر میں داخل ہی نہ ہوتیں اگر اخلاقاً سوچتیں۔" وہ حیرت و افسوس سے دیکھتی رہ گئی۔
"آپ کو بتادیا تھا۔"
"ہونہہ مجھے اذیت میں مبتلا کر کے میرا سکون غارت کرنے کے لیے بتایا۔" وہ کڑواہٹ سے کہہ کر گیلے بال تولیے سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے کہا۔
"آپ، ابھی اسی وقت مجھے طلاق دے دیں پلیز، اب تھک گئی ہوں میں اس زہر کو پیتے پیتے مرگئی ہوں میں آہ...... ہا۔" وہ دیوانوں کی طرح چیختے ہوئے زور زور سے روتے روتے فرش پر گر گئی اور بین کرنے لگی۔ صفدر پریشان ہوگیا رات کے سناٹے میں اس کی آواز باہر جارہی ہوگی کچھ ہی دیر میں امی آجائیں گی۔
"او...... اچھا خاموش ہوجاؤ چپ کرو۔" وہ خود بھی فرش پر جھک کر کچھ نرمی سے کہنے لگا مگر اس کی حالت تو جیسے آؤٹ آف کنٹرول ہوگئی۔ دانت بھینچ گئے اور رونے سے ہچکیاں شروع ہوگئیں آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ شدید صدمے کے باعث عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ صفدر بوکھلا سا گیا اسے گود میں بھر کے بستر پر لٹایا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے مگر اس کو تو جیسے دورہ سا پڑ گیا تھا اس نے منہ چھپایا۔

''ہوش کرو، ہوش میں آؤ کیا کررہی ہو؟'' وہ سخت پریشانی میں اسے ہلانے جلانے پر مجبور ہوگیا۔ مگراس کی تو جیسے گھگھی سی بندھ چکی تھی۔

''زیبا......زیبا......ہوش کرو۔''

''چھوڑدیں مجھے ہٹیں مجھے جانے دیں جانے دیں۔'' وہ زور سے چیخی اور چلاتی ہوئی بیڈ سے اترنے کی کوشش کرنے لگی آج پہلا موقع تھا کہ وہ اس کے سرہانے اس کے قریب بیٹھا تھا اس۔ نے اس کا بازو تھام کرروکا۔

''فارگاڈ سیک چیخنا بند کرو، امی سنیں گی تو کیا سمجھیں گی؟''

''سننے دیں بس مجھے جانے دیں آپ مجھے طلاق دے دیں۔'' وہ اور زور سے چلائی تو اس کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

''مرو، جو کرنا ہے کرو، جاؤ جہنم میں۔'' وہ تکیہ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا وہ چلائی۔

''جانے کیوں نہیں دے رہے میں گناہ ہوں، گندہ ہوں مجھے نکال باہر کرو۔'' مگراس نے دروازہ باہر سے لاک کردیا اور خود ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر جا کر لیٹ گیا ہاتھ پر نگاہ پڑی تو افسوس ہوا۔

''یہ کیا، کیا تم نے، اتنی نیچ حرکت۔'' مگر وہ بھی کیا کرتا پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا شرمندگی سے سر تکیے پر پٹخنے لگا۔

''کیا مصیبت ہے، زندگی حرام ہوگئی۔'' وہ چلا اٹھا۔

❀❀

''صفدر صفدر یہ کیا فضول حرکت ہے، شرم نہیں آئی بیوی کو رات بھر کمرے میں بند رکھا۔'' جہاں آرا سخت غصے میں پاس کھڑی چلائیں تو وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔

''وہ، میں......!'' کچھ بات نہ بن پڑی۔

''کیا میں میں شرم ہے کہ نہیں اسی لیے وہ یہاں نہیں رہتی، ایسا سلوک کرتے ہیں بیوی کے ساتھ ارے نئے گھر میں وہ آئی ہے اور تم نے لڑ جھگڑ کے اسے کمرے میں بند کردیا۔ میں پوچھتی ہوں یہی تربیت کی تھی میں نے۔'' وہ سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''اوہ، سوری، غلطی سے لاک لگ گیا ہوگا۔'' وہ شرمندہ ہوکر بولا۔

''لاک غلطی سے لگ گیا۔ تم یہاں صوفے پر بھی غلطی سے آگئے میاں بیوی کے رشتے میں فاصلے اور دوریاں نہیں ہوتے، احساسات کا تبادلہ ہوتا ہے، روح کی تھکن اتاری جاتی ہے لمحوں کو زندہ رکھا جاتا ہے۔'' وہ ذومعنی سب باتیں جل بھن کے کہہ گئیں۔

''ایسا تب ہوتا ہے جب ازدواجی رشتہ ہو، جب سچے احساسات ہوں۔'' وہ بھی جل کر بولا۔

''تم، تم ہی غلط ہو، رو رو کے وہ رات بھر ہلکان ہوتی رہی اور تم مزے سے یہاں سوئے رہے۔''

''سوتا نہ تو کیا کرتا اور یہ تو آپ کہہ رہی ہیں کہ مزے میں تھا جس کی بیوی رات میں طلاق مانگے چیخ وپکار مچادے پھر کیا مجھے کمرے میں رہنا چاہیے تھا۔''

''اس کی جگہ اور کیا کرے وہ؟''

''آپ چھوڑیں۔''

''کیا چھوڑوں، جا کر دیکھو کتنی بری حالت ہے اس کی، میں تو شرمسار ہوگئی ہوں۔ اگر اس کی ماں آجائے تو کیا کہے گی؟''

''ایسا کچھ نہیں ہوا؟'' وہ اٹھ کر جانے لگا تو وہ بھڑک اٹھیں۔

''بکواس بند کرو، معافی مانگو زیبا سے۔''

''ایسا کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔''

''صفدر مت بھولو کہ اللہ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔'' وہ بولیں۔

”امی، مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔“
”ہوتی رہے پہلے زیبا سے معافی مانگو۔“
”اسے اس گھر سے جانا ہے اسے کہیں کہ ایک دو دن گزارلے یہاں پھر سب واضح ہو جائے گا۔“
”کیا واضح ہو جائے گا کیسی باتیں کر رہے ہو؟“
”آپ نے ناشتہ دینا ہے یا نہیں۔“
”ارے بدبخت وہ غریب تمہارے اس سلوک کے باوجود ناشتہ تیار کر رہی ہے۔“ انہوں نے جتلایا۔
”اسے کہیے، رہنے دے۔“
”پھر وہی ڈھاک کے تین پات، تمہاری اولاد کی ماں ہے شرم کرو۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں، وہ کچھ دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کندھے جھٹک کر نہانے و تیار ہونے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف گیا، جانتا تھا کہ اب وہ اس کے کمرے میں نہیں ہوگی، شاید اب کبھی اس کمرے میں آئے بھی نہیں وہ ایسی بدتمیزی والا سلوک کرنا نہیں چاہتا تھا مگر ہو گیا اب اس سے معافی تو کسی طور نہیں مانگی جا سکتی تھی انا بھی کوئی چیز تھی۔

شہر سے تقریباً ستر اسی کلومیٹر دور ایک ٹرک ڈرائیوروں کے ڈھابے پر گاڑی کو بریک لگائی تو صفدر نے پہلی بار اس کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔
”یہاں اتنی دور کیوں؟“
”تاکہ تسلی سے بات ہو سکے۔“ عارض نے جواب دیا۔
”کیسی بات؟“ صفدر کے دماغ میں ہلچل پیدا ہوئی کہ شاید عارض زیبا کے حوالے سے کچھ کہے گا۔
”صفدر، میں شرمین سے ملا تھا اس کو ملنے گیا تھا پھر اس نے بڑی مختصر سی بات کی، مجھے تشویش ہے۔“
”کیسی تشویش؟“ اب صفدر کے حیران ہونے کی باری تھی۔
”اس بات کو میرا دماغ قبول نہیں کر رہا کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے جبکہ اس نے یہی کہا۔“
”بھائی میرے تمہیں اس پر سر کھپانے کی ضرورت کیا ہے، شرمین پر وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟“ صفدر اپنی ذہنی الجھن میں گرفتار تھا دفتر میں بھی کام کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اسے اصرار کر کے باہر لے آیا۔
”یہ تم کہہ رہے ہو؟“
”ہاں، کیونکہ شرمین کو تم اپنی زندگی سے نکال چکے ہو، اب وہ کس کے ساتھ ہے کون اس کا بیٹا ہے یا نہیں تمہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔“ صفدر نے بالکل سیدھا جواب دیا۔
”اور اگر دل اسے بھول نہ پایا ہو، اس سے مل کر دیکھ کر اور بھی بے قرار ہو تو!“
”تو بھی کچھ حاصل نہیں یار خود سوچو کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں مگر تم نے ایک نہ سنی، اس غریب کا جرم کیا تھا تم نے بزدلوں کی طرح اس کو ناکردہ جرم کی سزا سنا دی آخر کیوں؟“
”بس اس کی بھی ایک وجہ تھی۔“
”اور اب وہ وجہ ختم ہو گئی؟“ صفدر طنزیہ بولا۔
”صفدر میں نے شرمین کی خاطر کیا تھا اس وجہ کا شرمین سے تعلق تھا۔“ عارض نے یقین دلانا چاہا۔
”او چھوڑو یار، کوئی بھی وجہ تھی شرمین نے قتل کر دیا تھا پھر بھی تمہیں اسے صفائی کا موقع دینا چاہیے تھا۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو مگر مجھے ایسا لگا کہ شرمین کو مجھ سے محبت نہیں بلکہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔“ عارض نے اعتراف کیا۔
”اور ایسا کیوں لگا تمہیں، وہ کسی کون آ گیا؟“ صفدر نے کہا۔
”میں اسے بتانا چاہتا ہوں مگر اسے کہو کہ وہ میری بات سنے۔“

”میں ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ میرے پاس کوئی جواز نہیں ہے، خود بتاؤ، سمجھاؤ۔“ صفدر نے صاف جواب دیا۔
”مگر وہ مجھے سننے کا موقع نہیں دے گی۔“
”اللہ کی مرضی، صبر کرو پھر۔“
”پلیز کیسے دوست ہو؟“
”عارض میں خود بہت الجھا ہوا ہوں، میں بھلا کیسے یہ بات شرمین بہن سے کرو۔“
”اپنی الجھن مجھے بتاؤ، پلیز۔“
”ہاں، مگر اس کے لیے تمہیں میرے گھر آنا ہوگا۔“
”ضرور کب؟“
”کل یا پرسوں۔“ صفدر کھویا کھویا بولا۔
”ٹھیک ہے میں فون کرکے آجاؤں گا۔“
”اب چلیں۔“
”اسے کہو میری بات سن لے میں بہت خلش محسوس کررہا ہوں، میں اسے مجبور نہیں کروں گا بس وہ میری بات سن کر دل صاف کرلے۔“
”اور اس کے بیٹے سے متعلق۔“
”مجھے معلوم ہے کہ وہ اس کا کیا لگتا ہے؟“
”کیا......؟“
”خیر اس بات کو چھوڑو، بس مجھے شرمین سے مطلب ہے۔“
”میں بڑے عرصے سے ملا نہیں، کوشش کروں گا مگر وعدہ نہیں۔“
”بس ایک بار وہ مجھ سے ملے۔“
”لوکے، کہا نا کہ بات کی کوشش کروں گا۔“
”تھینک یو میرے دوست۔“ عارض نے پرسکون ہو کر کہا۔
”کوئی بات نہیں ویسے میں کس منہ سے بات کروں گا؟“ صفدر دھیرے سے بولا عارض نے کوئی جواب نہیں دیا گاڑی واپسی کے لیے موڑلی۔

......❀❀......

یہی سزا ہے میری جو میں اکیلا ہوں
کہ سر اسر تیرے آگے بھی ختم نہیں ہوتا
وہ بے حسی ہے مسلسل شکست دل سے منیر
کوئی بچھڑ کے چلا جائے غم نہیں ہوتا

ٹیرس پر کھڑا وہ گہری ہوتی رات میں آسمان کی وسعتوں میں اپنے مقدر کا ستارہ تلاش کررہا تھا۔ شرمین کی صورت میں جگمگاتا ستارہ، جس کی روشنی اس سے روٹھ گئی تھی یا جسے اس نے اپنے ہاتھوں اندھیروں میں اتارا تھا اب ان اندھیروں سے نکل کر وہ پھر اس کے سامنے آگیا تھا۔
”نہیں، وہ...... وہ میرے احساس سے کبھی کہیں گئی ہی نہیں تھی، اسے اپنی زندگی کے ایک لمحے سے بھی باہر نہیں نکال سکا تھا وہ میری محبت، میری چاہت مجھے کسی وقت نہیں بھولی، بس مجھ سے بھول ہوئی۔“ پشت پر آہٹ ہوئی تو وہ ٹھٹکا ملازم چاچا اس کا موبائل لیے کھڑے تھے۔
”جی۔“ وہ بولا۔

"یہ آپ کا فون بج رہا تھا آغا جی نے بھیجا ہے۔"
"شکریہ۔" اس نے فون تھام لیا فون دوبارہ شور مچانے لگا نمبر باہر کا تھا وسوسہ سا ذہن میں آیا کہ شاید سنجنا کا ہو لیکن پھر خیال ذہن سے نکال کر فون اٹینڈ کیا مگر دوسری طرف سچ مچ سنجنا ہی تھی۔
"ہیلو۔"
"ہیلو، میں سنجنا تھینک گاڈ میں بات کر پا رہی ہوں۔" وہ بہت خوش تھی۔
"سنجنا تمہیں ایک بات سمجھائی تھی کہ میرا تعاقب مت کرو، میرے بابا تمہاری وجہ سے سخت ناراض ہیں۔"
"بھگوان کی قسم میں نے بہت کوشش کی مگر تمہیں بھول نہیں سکے۔"
"اپارٹمنٹ بھی تمہیں خالی کرنا ہوگا، اپنے ملک چلی جاؤ۔"
"میرے گھر والے مجھے مار دیں گے وہ مجھے شمع نہیں کریں گے۔"
"تو میں کیا کروں، مجھے آئندہ فون نہ کرنا۔" اس نے سخت ردعمل ظاہر کیا اور فون بند کر دیا پھر تاؤ میں آ کر معید صاحب کا نمبر ملا لیا۔ اس کو شدید غصہ آ گیا۔
"کمال کرتے ہیں معید صاحب اسے میرا نمبر دے دیا۔"
"نہیں، میں نے نمبر نہیں دیا وہ آفس گئی تھی شاید۔"
"بابا کو تو آپ نے بتایا۔"
"سر انہوں نے ایسے سوالات کیے کہ میں جھوٹ نہیں بول سکا۔"
"تو ٹھیک ہے سنجنا کو اپارٹمنٹ سے نکالو اور بس۔"
"مگر وہ پھر......؟"
"بھاڑ میں جائے۔"
"سر وہ رئیلی میں آپ سے بہت محبت کرتی ہے آپ کی جیکٹ میں اس کی جان ہے۔"
"معید صاحب مجھے اس سے صرف انسانی ہمدردی ہے آپ مالی مدد کر دیں۔"
"آغا صاحب نے فوری طور پر اسے نکالنے کا حکم دیا ہے مگر مجھے ڈر ہے۔"
"کس بات کا۔"
"چھوڑیں، قبل از وقت کچھ کہہ نہیں سکتا۔"
"بہرکیف اسے سمجھائیں جانے کیوں میرے پیچھے پڑی ہے۔" اس نے فون بند کیا اور ٹیرس سے کمرے میں آ گیا بھوک کا شدید احساس ہوا تو کچھ کھانے کی غرض سے کمرے سے باہر نکلنا۔

اذان کا یونیفارم استری کر کے وہ کرائے داروں کی طرف آ گئی انہوں نے پیغام بھیجا تھا کہ ہم مکان خالی کر رہے ہیں آپ آ کر گھر چیک کر لیں گھر آ کر بیٹھی نہ تھی کہ بار بار موبائل فون بجنے لگا۔ عارض مسلسل فون کر رہا تھا۔ ان کو ایکسکیوز کہہ کر واپس آ کر فون اٹینڈ کرنا پڑا۔
"شرمین پلیز مجھے کچھ کہنا ہے۔" اس نے اس طرح کہا کہ اس نے بڑی نرمی سے کہا۔
"جی کہیے۔"
"شرمین ایک وقت تھا کہ تمہیں میری محبت پر یقین تھا اعتبار تھا مگر اب میں جانتا ہوں کہ......!"
"مگر آپ کو نہیں تھا یہ میں نہیں جانتی تھی۔" اس نے جملہ کاٹا۔
"بات مذاق سے شروع ہوئی اور پھر کچھ سے کچھ ہو گیا۔" وہ وضاحت دے رہا تھا۔
"تو کیا ہوا...... کچھ نہیں ہوا۔"

اردو ادب کا روشن ستارہ
رفعت سراج
اپنے سلسلے وار ناول
چراغِ خانہ
کے ہمراہ آنچل محفل کی شان بڑھانے آرہی ہیں
ہمیشہ کی طرح اچھوتے موضوع پر قلم بند کرتی رفعت سراج اس بار بھی
حالات کی ستائی لڑکی کو اس کی منزل تک کیسے پہنچاتی ہیں
یہ جاننے کے لیے زیادہ نہیں بس تھوڑا انتظار
کیونکہ بہت جلد ماہنامہ آنچل میں آرہا ہے چراغ خانہ
آپ بہنوں کی پرزور فرمائش پر
جلد ماہنامہ آنچل کے صفحات پر پڑھیں

"نہیں، بہت کچھ ہوا تم سے بچھڑنے کے بعد پتا چلا کہ تمہارے ساتھ ہی میری دنیا ختم ہوگئی۔" وہ بہت عالم جذب میں تھا۔
"دنیا ختم ہو جانے والی ہی جگہ ہے۔"
"شرمین مجھے قرار نہیں، سکون نہیں، ایک پچھتاوا ہے ایک کسک ہے ایک اسرار ہے۔"
"کیسا اسرار؟"
"تم ملو تو بتاؤں۔"
"کاش کبھی ایسا ہو۔"
"مجھے یقین سا ہے کہ......!"
"آپ کا یقین دھوکہ دے رہا ہے آپ کی طرح۔"
"میں دھوکہ باز نہیں۔"
"خیر، ہر چیز اپنی اصلیت کی طرف لوٹتی ہے۔"
"آغا جی کہتے ہیں کہ میں تم سے ملوں۔"
"انہیں بتا دیجیے کہ......
اب کے تجدید وفا کا نہیں امکاں جاناں"
"اخاہ۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو اس نے فون بند کر دیا۔
"ہنہ، بتا دو سب کو بتا دو کہ اب کے تجدید وفا کا نہیں امکان جاناں......

یاد کیا تجھ کو دلائیں تیرا پیاں جاناں
زندگی تری عطا تھی سو ترے نام کی ہے
ہم نے جیسے بھی بسر کی تیرا احساں جاناں
دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہو افسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں
ہم بھی کیا سادہ تھے ہم نے بھی سمجھ رکھا تھا
غم دوراں سے جدا ہے غم جاناں جاناں"

وقت کی مٹھی بے شک چھوٹی اور کمزور ہو مگر اس کے قدم بڑے بھاری اور توانا ہوتے ہیں جسم تو جسم روح تک کچلی جاتی ہے۔
وہ اپنے پورشن کی طرف آ گئی اذان ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہا تھا اسے مغموم سا دیکھ کر بولا۔
"ماما آپ بابا کو معاف کر دیں۔"
"کر دیا۔"
"کیسے؟"
"بس کر دیا۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔
"تو پھر بابا آ جائیں گے۔" اس نے پر امید نگاہوں سے دیکھا تو اس کا دل کٹ سا گیا۔
"نہیں، وہ وہیں رہنا چاہتے ہیں۔"
"کیوں؟" وہ غصے سے بولا۔
"آپ ایسی باتیں کیوں سوچتے ہو؟"
"ماماں، ہم باہر چلیں۔" وہ ٹال گیا۔
"ہاں جلدی سے ہوم ورک کرو، گھومیں گے پزا کھائیں گے اور پھر واپس۔"
"ماما، کسی کو بلیں گے نہیں۔"

"ہاں مل بھی سکتے ہیں۔"

"نہیں وہ انکل گندے ہیں۔" وہ بے ساختہ بڑی تلخی سے بولا۔

"وہ، نہیں وہ مجھے آفس میں ملتے ہیں ویسے کسی کو برا نہیں کہتے۔" اس نے اپنے لیے اور اس کے لیے کپڑے الماری سے نکالے لیکن محض اتفاق تھا کہ زینت آپا کے لینڈ لائن نمبر سے فون آ گیا وہ ٹھٹکی۔

"ہیلو۔"

"شرمین بٹیا بیگم صاحبہ گر گئی ہیں آپ جلدی آ جائیں۔" بابا بہت گھبرائے ہوئے تھے۔

"اوہ کیسے...... بوبی کہاں ہے؟"

"بس انہی کی وجہ سے تو گری ہیں وہ گھر پر نہیں ہیں۔"

"اچھا، میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے کہا تو اذان نے ناگواری سے دیکھا اور پہلے ہی کہہ دیا۔

"آپ جائیں مجھے شبانہ آنٹی کی طرف چھوڑ جائیں۔" وہ خاموش ہو گئی کیونکہ اس وقت اسے سمجھانا مشکل تھا۔

❀❀

"انا کی جنگ میں ہمیشہ جیت ہارنے والے کی ہوتی ہے۔"

"کیا کہے مائی سن۔"

آغا جی نے اسے لان میں اداس سا ٹہلتا دیکھ کر کہا تو وہ شام کے ملگجے سے اجالے میں انہیں ویران نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ اداسی، یہ تنہائی یہ ویرانی ایک دم ختم ہو جائے گی اگر شرمین کے قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگ لو۔" وہ پھر بولے۔

"اگر وہ معاف کر دیتی تو میں ایسا کر لیتا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"خود ہی اخذ کر لیا اس نے کہا۔"

"ایک ہی بات ہے۔"

"نہیں، ایک بات نہیں ہے کیا اسے ایک بھی لمحہ، ایک بھی موسم ایک بھی گیت، ایک بھی موقع آپ نے ایسا نہیں دیا کہ وہ اسے یاد رکھتی اور آپ کو معاف کر دیتی، محبت کے تو قدم قدم پر کہکشاں اترتی ہے، قوس و قزح کے رنگ نثار ہوتے ہیں پھر کیسی محبت کی تھی آپ نے؟"

"بابا شاید محبت تو اب ہوئی ہے۔" وہ کھویا کھویا بولا۔

"تو کوئی بات نہیں اسے اب ہی یقین دلاؤ۔"

"بابا یہ سب آسان کام نہیں، اب ایک بچہ ہے اس کے ساتھ اس کا مرکز ہی بدل گیا ہے۔" وہ منمنایا۔

"میں چاہتا نہیں کہ محبت کا پیامبر بنوں کیونکہ محبت میں جذبے ایک طرف سے اشارہ پا کر دوسری طرف اترنے لگتے ہیں۔"

"بابا اب کچھ نہیں ہو سکتا شرمین کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔"

"پاگل نہ بنو کوشش جاری رکھو اور اپنا ہر ارادہ بدل لو۔"

"کون سا ارادہ؟"

"اس لڑکی کو سنجنا و سنجنا کو بھول جاؤ۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی پھر سے ٹہلنے لگا۔

بابا کو کیسے یقین دلائے کہ سنجنا سے اس کا کوئی دل کا رشتہ نہیں، وہ ایک مظلوم لڑکی ہے اس کے شوہر نے اسے محبت کی شادی کرنے کی کڑی سزا دی ہے اس نے تو اس سے انسانی ہمدردی کے تحت حسن سلوک برتا ہے وہ خود دیوانگی کی حرکتیں کر رہی ہے اس کے دل میں کل بھی شرمین تھی اور آج بھی ہے اب تک تو معید صاحب نے اس سے اپارٹمنٹ بھی خالی کرا لیا ہوگا۔ پھر جانے کیوں آغا جی کو مسئلے کی وجہ وہی لگ رہی ہے۔ جب کہ اس نے تو کبھی اس انداز میں سوچا بھی نہیں تھا۔ اسے جانے کیوں محبت ہو گئی تھی بابا کے بقول اس کی چال ہے ہندو لڑکی کسی مقصد کے تحت اس کے قریب آئی ہے۔ مقصد کوئی بھی تھا مگر وہ تو آ چکا تھا۔

❀❀

زینت بیگم پر اللہ نے مہربانی کی تھی۔ وہ ان کو اسپتال سے لے کر گھر آئی سہارا دے کر بیڈ پر لٹایا گرنے کی وجہ سے دائیں گھٹنے اور دائیں بازو پر چوٹ لگی تھی پین کلر اور سوجن سے بچاؤ کی دوائیں لکھیں تھیں، زینت آپا کی احساس تشکر سے بار بار آنکھیں بھر آتیں بھولی اور اذان کو کسی وجہ سے کمرے سے باہر بھیجا اور پھر پوچھا۔

"آپا کیوں پریشان ہیں کہاں گیا بوبی؟" وہ بول نہ سکیں بس رودیں۔

"آپ دل پر پتھر کیوں نہیں رکھ لیتیں؟" وہ ان کا سر دباتے ہوئے بولی۔

"وہ......وہ......!"

"آپ نہ بولیں کوئی ٹینشن نہ لیں میں جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟" وہ بولی مگر وہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہو کر اس کے مقابل آ گیا۔

"کیا جانتی ہو کیا پتا ہے تمہیں، مجھ سے پوچھو اس سب کی ذمہ دار تم ہو، تم نے مجھے اور میری ماں کو استعمال کیا ہے ہماری اس حالت کی ذمہ دار تم ہو۔"

"بوبی بی ہیو یور سیلف۔" اسے شدید غصہ آ گیا زینت نے بیٹے کو گھور ا روکنا چاہا مگر وہ آپے سے باہر ہو گیا۔

"ماما چپ رہیں آپ یہ شرمین بی بی ہر روز ہمارے احساسات سے کھیلنے کا نیا سرٹیفکیٹ لے آتی ہیں۔ اب یہ جانے کس کی جائز ناجائز اولاد اٹھا لائی ہیں۔"

"بوبی......!" شرمین نے غصے سے زوردار طمانچہ اس کے منہ پر رسید کردیا۔

"کیوں کیوں صرف تمہیں ہی برا لگتا ہے۔ تمہیں ہی غصہ آتا ہے۔ میں نے سچ کہا ہے بولو بتاؤ یہ اذان کس کا بیٹا ہے کون ہے اس کا باپ، تمہیں ماما کیوں کہتا ہے؟" وہ تھپڑ کھا کر بھی کف اڑاتا رہا۔

"بو......بوبی......!" زینت بیگم پوری قوت سے دھاڑیں۔

"شٹ اپ، شٹ اپ بوبی تمہاری کسی گھٹیا بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔" شرمین غصے سے تمتما اٹھی۔

"جواب کوئی ہے ہی نہیں، کیا جواب دو گی، میرا تماشا بنایا میری ماں کو بے وقوف بنایا اور پھر یہ نیا ڈرامہ؟"

"میرا تو ڈرامہ ہے اور تمہاری محبت کیا ہے، مسٹر بوبی۔" وہ کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

"میری محبت تم ہو تمہارے نام نہاد بیٹے سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔"

"تمہارا مجھ سے بھی کوئی واسطہ نہیں بلکہ تھا ہی نہیں تم ڈیزرو ہی نہیں کرتے۔" وہ بولی۔

"بوبی، چپ ہو جاؤ۔" زینت بیگم رودیں۔

"شرمین صاحبہ آپ بھی مجھے ڈیزرو نہیں کرتی تھیں مگر میں محبت کرتا ہوں۔"

"شٹ یور ماؤتھ، اب ایک لفظ بھی محبت کے لیے نہیں بولنا۔" وہ چلائی۔

"کیوں تم نے محبت کہیں پال رکھی ہے؟"

"پالی ہا نہیں، تم سے ہرگز نہیں۔" شرمین نے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر نکلنے کا اشارہ دیا زینت بے تاب ہو کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں مگر بوبی نے انہیں روکا اور کہا۔

"جانے دیں ماما مجھے بچے کی ماں سے شادی نہیں کرنی، اس سے تو بہتر ہے کہ میں بھولی سے شادی کرلوں۔" بوبی نے گرم کھولتا ہوا لاوا گویا اس کے وجود پر پھینکا اور وہ سرتا پا جھلس کر کوئلہ ہو گئی۔ ناقابل بیان جرأت اظہار ناقابل برداشت سوچ، شرمین کی آنکھیں دکھ اور حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ بوبی ہے وہ بوبی جس کی محبت کی مرکز صرف وہ تھی۔ بھولی کے سامنے لا کھڑا کیا بھولی اور وہ ایک برابر ہیں محبت یہ تھی۔

"جائیں مس شرمین آپ میری طرف سے آزاد......۔" اس نے بے بسی سے منہ چھپا کر روتی زینت کو دیکھا اور خود کو یکجا کر کے باہر نکل آئی۔

زندگی نے محبت کا ایک اور چہرہ مسخ کیا تھا۔
ایک اور میت زمانے کی قبر میں محبت کا کفن پہن کر اتری تھی۔ محبت کے بت دفناتے ہاتھ پتھرائے گئے تھے۔ جسم میں جیسے کسی شکستہ حال گورکن کی روح سما گئی تھی۔ اس شان سے اس سلیقے سے وہ محبت کا تابوت قبروں میں اتارتی تھی کہ بڑے سے بڑے گورکن کو بھی اپنی مہارت پر شک ہونے لگے محبت کی تازہ قبر بنی تھی۔
سوگ میں آنکھیں متورم تھیں..... لب خشک تھے..... چہرے پر ماتم تھا۔
جواں سال محبت کی مرگ کا سوگ بھی تو اس کے شایان شان ہی کرنا تھا نہ دانہ حلق سے اترا اور نہ بدن بستر سے لگا بس ایک بے یقینی کی فضا تھی۔
بوبی بھی..... صبیح احمد کی حدوں سے آگے..... عارض کی حدوں سے بڑھ کر.....
اسے سکون نہیں آ رہا تھا..... قرار نہیں تھا محبت کی جذباتیت کا تو پتا تھا مگر سچ میں یہ چہرہ دکھائی دے گا یہ معلوم نہیں تھا۔
"ماما اذان نے اسے اس حال میں دیکھا تو پیار سے پکارا۔
"ہمنہہ۔"
"آپ کو کیا ہوا ہے؟"
"بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"
"آپ نے کچھ کھایا بھی نہیں۔"
"بھوک نہیں ہے آپ نے برگر کھالیا؟" واپسی پر اس کے لیے برگر خرید لائی تھی۔
"جی۔"
"برش کر کے سو جائیں۔"
"آپ کو کچھ لا کر دوں۔"
"نہیں، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"
"آپ ڈاکٹر کے پاس چلیں۔"
"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔"
"ماما۔"
"ہمنہہ جی۔"
"وہ انکل ڈیڈی کا نام پوچھ رہے تھے۔"
"پھر۔"
"میں نے بتا دیا تو وہ غصہ ہونے لگے۔"
"کیا کہا؟"
"ڈیڈی خود نہیں سنبھال سکتے۔"
"چھوڑو وہ بس ایسے ہی ہیں نہیں جانتے کہ محبت میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔" اس نے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔
"بس اب ہم وہاں نہیں جائیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔"
"اب بیڈ پر آ جائیں۔"
"ہمنا آپ سو جاؤ میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔" اس نے کہا تو اذان نے بات تسلیم کر لی۔ وہ بڑی ہمت کر کے اٹھی جلتے ذہن کو سکون دینے کیلئے شاور لینے کی ضرورت تھی۔

بظاہر تو وہ لائٹس آف کرکے سوگئی تھی۔
مگر حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا تھا۔ سسکیاں اندر ہلکورے لے رہی تھیں۔ اذان کی وجہ سے اس نے آواز دبا رکھی تھی۔ وہ اس کو احساس تک نہیں دلانا چاہتی تھی کہ بوبی نے جو کچھ کیا وہ صرف تمہاری وجہ سے کیا۔ تمہارے ڈیڈی کی وجہ سے کیا میرا براہ راست کوئی مجرم ہے تو وہ تمہارے ڈیڈی ہیں۔ جنہوں نے مجھے ایک سوالیہ نشان بنادیا ہے۔
"صبیح احمد تمہارا شکریہ کہ تمہارے ذریعے مجھے مزید محبتوں کی پہچان ہوگئی میں جان سکی کہ لوگ بالکل جھوٹ بولتے ہیں دھوکہ دیتے ہیں، محبت سے نہیں اپنی غلیظ فطرت سے۔" اس نے کروٹ بدلی۔
مگر اب اس میں زینت آپا کا کیا قصور؟ انہیں اس تکلیف میں تنہا چھوڑنا کتنی بری بات ہوگی۔
"شرمین بس اب یہ جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہونا بند کرو، چھوڑ دو سب محبت کا کلمہ پڑھنے والے رشتوں کو، یہ اہل نہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم صبیح احمد کو بھی آئینہ دکھا کر چلتا کرتیں انہوں نے ہی تو فریب اور دھوکے کی غلیظ بوند محبت کے پاکیزہ تالاب میں شامل کی تھی۔
تمہاری محبت تو پاکیزہ اور معصوم تھی۔ کیوں اذان کو دھتکارا نہیں' کیا ہوجاتا تمہارا دل مضبوط ہوجاتا، کیا ضروری تھا کہ اذان کے لیے خود کو قربان کردیا۔" وہ تر آنکھوں کے ساتھ سوچ رہی تھی۔
"نہیں، اس معصوم کا کیا قصور، اور بوبی سے اس نادانی کے سوا کوئی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ اس کا ظرف اتنا چھوٹا اور گھٹیا تھا کہ وہ اس حد تک گرگیا۔ ایک طرح سے تو اچھا ہی ہوگیا تھا۔ اب مجھے بھی بوبی کا سامنا نہیں کرنا نہ دفتر اور نہ گھر۔ بس زینت آپا سے فون پر بات ہوگی۔
"اور اخراجات...... فی الحال کرائے داروں کو گھر خالی کرنے سے روکنا ہوگا، جب تک نئی جاب کا بندوبست نہیں ہوتا۔" وہ اپنے ہی سوال کا جواب تلاش کرکے کچھ مطمئن ہوگئی آخر زندگی تو گزارنی تھی۔ اس نے پلٹ کر اذان کو دیکھا وہ ہر غم اور فکر سے آزاد گہری نیند سوچکا تھا۔

زیبا بخار میں بری طرح پھنک رہی تھی۔
جہاں آرا کو اس کی بہت فکر ہوئی، چائے بنا کردی، ملازمہ سے اس کا سر دبانے کو کہا، عبدالصمد کھیل رہا تھا۔ وہ اسے لے کر گھر جانے کی ضد کرنے لگی تو وہ ناراض ہوکر اپنے کمرے میں چلی گئیں بخار نے اسے بھی غنودگی میں پہنچادیا۔ پتا ہی نہ چلا کہ وہ سوگئی، صفدر نے کندھا ہلا کر جھنجوڑا تو جاگی۔
"میرے بیڈ پر سونے کا زیادہ شوق ہے۔"
"نہیں مجھے بخار تھا۔"
"چلو جاؤ مجھے سونا ہے۔" اس نے بالکل بھی خیال نہیں کیا۔ وہ نقاہت زدہ سی اٹھ کر باہر نکل گئی۔ دروازے پر بیل ہورہی تھی۔ اس نے ملازمہ کو بلایا مگر وہ جانے کہاں مصروف تھی۔ بیل چوتھی بار ہوئی تو اسے خود ہمت کرنی پڑی ویسے بھی طبیعت خرابی کے باعث کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا دروازہ بے دھڑک کھول دیا اور باہر دیکھا اور لڑکھڑا گئی گرنے کی آواز پر ملازمہ نے شور مچا کر صفدر کو بلایا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)